Fikr-o-Nasar (Islamabad) 46:3 (2009)

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۶ شمارہ: ۳

غیرمسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود و ضوابط☆

(جنوبی ایشیاء کے فقہاء کی آراء و فتاویٰ کے تناظر میں)

حافظ محمد سعداللہ☆☆

اہل علم سے مخفی نہیں کہ تدوین فقہ کے ابتدائی ادوار میں جبکہ اسلام اور اہل اسلام کو دنیا میں سیاسی غلبہ و عروج حاصل تھا۔ کئی ممالک / علاقوں میں اسلامی حکومتیں قائم تھیں اور مسلمان عصرحاضر کی طرح غیرمسلم ممالک میں بالعموم مستقل رہائش پذیر تھے نہ انہیں ایسی مجبوری درپیش تھی، تو فقہاء و مجتہدین کو کم ہی ضرورت پیش آئی کہ وہ ایک مسلمان کے لیے ''غیرمسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود و ضوابط'' کے شرعی احکام و مسائل تفصیل سے مرتب کرتے۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جن دور بین اور باریک بین فقہاء کی نظر ''تقدیری مسائل'' تک پہنچ گئی تھی، ان کی نظروں سے یہ مسئلہ اوجھل رہتا۔ چنانچہ فقہاء نے جیسا کہ آگے آئے گا، اس مسئلہ کو ''باب استیلاء الکفار'' کے ذیل میں بیان کیا ہے۔

بہرکیف آج کل حالات چونکہ بالکل بدل چکے ہیں۔ اسلام کا عالمی سیاسی غلبہ قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ بیشتر غیرمسلم ممالک میں مسلمان عرصہ سے اقلیت کے طور پر آباد ہیں، البتہ انہیں وہاں اپنے کاروبار، ملازمت، مذہب و عقیدہ اور شخصی و انسانی حوالے سے وہ حقوق اور آزادی حاصل ہے جو مسلمانوں کو کئی مسلمان ملکوں میں بھی حاصل نہیں۔ اور اگر بالفرض کسی غیرمسلم ملک میں مقیم مسلمان جذبہ ایمانی اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق من حیث الجماعت کسی اسلامی ملک کی طرف ہجرت کرنا چاہیں تو شاید کوئی بھی اسلامی ملک انہیں مستقل شہریت دینے اور ان کی آبادکاری کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسی اضطراری صورت حال میں ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کا اپنے حالیہ سیمینار بعنوان ''جنوبی ایشیاء میں اسلامی قانونی فکر

☆ اس مقالہ میں بعض اہم موضوعات پر اہل فکر و نظر کی آراء نقل کی گئی ہیں۔ اگر کوئی محقق مذکورہ مسائل پر مختلف آراء پیش کرنا چاہے تو فکر و نظر کے صفحات حاضر ہیں۔

☆☆ مدیر، مجلّہ منہاج دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

اور ادارے'' میں زیرنظر موضوع پر تحقیق کرانا لائق تحسین ہے۔ چنانچہ مقالہ ہذا میں ''غیرمسلم حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعلق کے حدود و ضوابط'' کے حوالے سے درج ذیل چند اہم مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے اور اس جائزہ کو سیمینار کے جلی عنوان کی رو سے صرف جنوبی ایشیاء کے فقہاء اور مفتی صاحبان کی رائے و فتویٰ تک محدود رکھا گیا ہے۔

(۱) غیرمسلم حکومت کی اطاعت و وفاداری کا مسئلہ

اس مسئلہ میں جنوبی ایشیاء / برصغیر کے فقہاء کی فقہی آراء و فتاویٰ کے ملاحظہ سے قبل یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات، پیغمبراسلام ﷺ کا ذاتی اسوہ حسنہ اور خلفاء راشدین کا طرز عمل (جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں) اس امر پر گواہ ہیں کہ اسلام دنیا میں ہر طرح کی اصلاح و فلاح اور امن و امان کا علمبردار اور ہر قسم کے فساد، بگاڑ، بدامنی، ظلم، تشدد، دہشت گردی، تخریب کاری، خوف و ہراس اور خون ریزی کے خاتمہ کا داعی ہے۔ وہ رنگ، نسل، مذہب، عقیدہ اور وطن کی تفریق و امتیاز کے بغیر ہر انسان کو (سوائے محارب کے) جینے کا حق دیتا، اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کو یقینی بناتا اور اس کے دیگر انسانی حقوق کی حفاظت و پاسداری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے ساتھ نیکی، احسان کا بدلہ احسان و شکریہ اور ہر قسم کی خیانت و دھوکہ دہی سے ممانعت بھی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ پیغمبراسلام ﷺ کے جوامع الکلم کے شاہکار ارشاد پر مشتمل شریعت کا عام اور مستقل اصول ہے کہ ''لاضرر و لاضرار''(۱) نہ کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات کے پیش نظر فقہاء نے تجارت کی غرض سے دارالحرب میں داخل ہونے والے مسلمان تاجر کیلئے کفار کے جان ومال سے تعرض کو ناجائز بلکہ غدر قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی نے لکھا ہے:

> **''اذا دخل المسلم دارالحرب تاجرا فلا یحل له ان یتعرض لشیءٍ من اموالهم ولامن دمائهم لانه ضمن ان لایتعرض لهم بالاستیمان فالتعرض بعد ذالک یکون غدراً والغدرحرام الا اذا غدر بهم ملکهم فاخذ اموالهم اوحبسهم او فعل غیره بعلم الملک ولم یمنعه لانهم هم الذین نقضوا العهد بخلاف الاسیر لانه غیر مستأمن فیباح له التعرض وان اطلقوه طوعاً''(۲)**

(اگر کوئی مسلمان بغرض تجارت دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کے لئے حلال (جائز) نہیں کہ کفار کے مالوں یا جانوں سے کچھ تعرض کرے۔ کیونکہ اس نے اپنے امان لینے سے یہ عہد کر لیا کہ کفار سے تعرض نہیں کرے گا تو اس کا تعرض کرنا غدر (دھوکہ) ہے اور غدر

بالاجماع حرام ہے، لیکن اگر مسلمان تاجر کے ساتھ کفار کے بادشاہ یا حکومت نے غدر کیا اور ان کے اموال چھین لیے یا ان کو قید کر دیا، یا حکومت کے علم کے باوجود دوسرے کفار نے ایسا کیا اور بادشاہ نے نہیں روکا تو مسلمان تاجر پر عہد نہیں رہا۔ کیونکہ کفار نے خود عہد توڑا۔ بخلاف اس کے اگر کفار کسی مسلمان کو قید کر کے اپنے ملک میں لے گئے تو وہ جو چاہے کرے، کیونکہ اس نے امان کا عہد نامہ نہیں کیا ہے۔ بس اس کو ہر طرح کا تعرض مباح ہے، اگرچہ کافروں نے اس کو اپنی خوشی سے رہا کیا ہو)

یہ حکم اس مسلمان کا ہے جو مستقل شہری تو اسلامی ریاست کا ہے مگر عارضی طور پر تجارت یا کسی دوسری غرض سے امن و امان کا عہد کر کے (ویزہ لے کر) دارالحرب میں داخل ہوتا ہے۔ اب جو مسلمان مستقل شہری ہی کسی غیرمسلم ملک کا ہے تو اس کے لیے بدرجہ اولیٰ ضروری ہو گا کہ وہاں حکومت کیلئے امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ کرے۔کیونکہ شہری ہونے کے ناطے سے گویا اس کا حکومت کے ساتھ یہ معاہدہ ہے کہ حکومت اس کے جان و مال اور دوسرے حقوق کے تحفظ کی ضامن ہوگی اور یہ حکومت کے قوانین نیز اسے کوئی فائدہ نہیں تو کم از کم اسے کوئی نقصان نہ پہنچانے کا پابند ہو گا اور معاہدہ اور شرط کی پابندی کا شرعی و اخلاقی طور پر ضروری ہونا اور ہر قسم کی بدعہدی، خیانت اور فریب کاری کا شرعاً ممنوع ہونا محتاج بیان نہیں۔

علاوہ ازیں ارشاد ربانی ہے: ”**فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ**“ (جب تک وہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) کی رو سے بھی عدم اطاعت اور بے وفائی کا جواز نہیں بنتا۔ لہٰذا غیر مسلم ملک میں رہتے ہوئے وہاں کی غیر مسلم حکومت کی اطاعت، وفاداری اور تعاون سے اگر کسی مسلمان کے بنیادی عقائد پر زد نہیں پڑتی، اس کی جان و مال کے تحفظ اور حلال حرام کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کسی دوسرے اسلامی ملک اور امت مسلمہ کا مجموعی طور پر کوئی نقصان ہے اور اس کے برعکس یعنی عدم اطاعت و وفاداری کی صورت میں اسے جانی مالی اور مذہبی اعتبار سے کئی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تو مشہور فقہی اصول ”**من ابتلی ببلیتین فعلیه ان یختار اھونهما**“(۳) کی رو سے غیر مسلم حکومت کی اطاعت و وفاداری اور اس کے ساتھ جائز تعاون میں شرعاً کوئی قباحت اور حرج نظر نہیں آتا۔

اس کے علاوہ تمام احکام شریعت میں یُسر (آسانی) پائے جانے کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

”**يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ**“(۴)

(اللہ کریم تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا)

اس آیت کی تفسیر میں مشہور حنفی فقیہ اور مفسر امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

"وهذه الآية اصل فى ان كل ما يضر بالانسان و يجهده و يجلب له مرضا او يزيد فى مرضه انه غير مكلف به لان ذالک خلاف اليسر نحو من يقدر على المشى الى الحج ولا يجد زاد او راحلة فقد دلت الاية انه غيرمكلف به على هذا الوجه لمخالفته اليسر"(۵)

(یہ آیت کریمہ اس چیز میں ایک مستقل اصل ہے کہ ہر وہ حکم جو انسان کو نقصان پہنچائے، اسے مشقت میں ڈالے اور اس کے واسطے بیماری یا بیماری میں اضافہ کا باعث بنے تو انسان ایسے حکم کا مکلّف نہیں کیونکہ وہ حکم یسر (آسانی) کے خلاف ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک آدمی حج کے لیے چلنے پر تو قدرت رکھتا ہے مگر زاد راہ اور سواری اس کے پاس نہیں تو یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس صورت میں حج کا مکلّف نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں حج کا مکلّف ٹھہرانا یسر کے خلاف ہے)

البتہ کسی غیر مسلم حکومت کے ساتھ کسی بھی نیت سے ایسے تعاون یا ایسی وفاداری اور خیر خواہی کی گنجائش نظر نہیں آتی جس کے نتیجے میں کسی اسلامی حکومت کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ جس کی نظیر فتح مکہ سے پہلے محض اہل مکہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے (نہ کہ کسی بد نیتی سے) بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا وہ خفیہ خط ہے جسے انہوں نے اہل مکہ کے لیے ریاست مدینہ کی جاسوسی کرتے ہوئے لکھوا کر ایک خاتون کے ہاتھ روانہ کیا تو حضورﷺ نے نگاہ نبوّت سے دیکھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر دو صحابہ کے ذریعے رستے سے اس خط کو برآمد کروا لیا اور حضرت حاطبؓ سے فرمایا: یاحاطب ماھذا؟ اے حاطب یہ کیا ماجرا ہے؟ مگر جب انہوں نے عذر پیش کیا تو اس جرم پر حضرت عمرؓ کی اس خواہش کے باوجود کہ ان کی گردن اڑا دی جائے، آپﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔(٦)

اسی طرح نبی رحمتﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل بنا کر جب یمن بھیجا تو یہ ہدایت فرمائی کہ:

"يسرا و لا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا"(۷)

(احکام کے نفاذ میں اہل یمن پر آسانیاں پیدا کرنا اور دشواریاں پیدا نہ کرنا۔ اسی طرح

انہیں اطاعت پر اجر و ثواب کی بشارت سنانا اور (ڈرا ڈرا کر) دین سے متنفر نہ کر دینا۔
نیز تمام ا مور میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا)

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ:

"**قال النبیﷺ یسروا ولا تعسروا و سکنوا ولا تنفروا**"(۸)
(نبی اکرمﷺ نے فرمایا: لوگوں کے لیے احکام میں آسانی پیدا کرو اور تنگی پیدا نہ کرو۔
بندگان خدا کو دین کی طرف رغبت دلاؤ نہ کہ انہیں دین سے دور کر دو)

قرآن و حدیث کی ان تصریحات اور ان تصریحات پر مبنی فقہی قواعد "**المشقة تجلب التیسیر**" اور "**الامراذا ضاق اتسع**"(۸-اے) کی رو سے غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اپنی غیر مسلم حکومتوں کی جائز امور میں اطاعت و وفاداری کر کے اپنے لئے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور دینی اعتبار سے آسانی کا سامان کریں گے نہ کہ اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کر کے خواہ مخواہ تنگی میں مبتلا ہوں گے۔

اس تمہید اور اصولی بات کے بعد اب اس سلسلے میں جنوبی ایشیاء کے علماء و فقہاء کی چند آراء و فتاویٰ ملاحظہ فرمایئے:

صاحب فتاویٰ غیاثیہ کا فتویٰ:

علامہ داؤد بن یوسف الخطیب نے اپنے مشہور فتاویٰ "الفتاویٰ الغیاثیہ"(۹) میں مجتہدانہ انداز میں غیرمسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے:

"وهذه البلية الواقعة فی زماننا باستيلاء الكفار علی بعض ديارنا لابد من معرفة حكمها والحق فی ذٰلک أن ما فی أيديهم من بلاد المسلمين فهو دارالاسلام بلاشک لانها غيرمتاخمة متصلة ببلادهم ولانهم لم يظهروا فيها أحكامهم بل القضاة و الحكام مسلمون باحكام الملة كيف وهم يرجعون الی علماء هذه الملة و يتحاكمون اليهم ومن وافقهم من المسلمين فهو فاسق لا مرتد ولا كافر وتسميتهم كافرين من اكبرالكبائر لانها تنفيرعن الاسلام و تقليل لسواده واغراء علی الكفر وأما الملوک الذين يطيعونهم عن ضرورة فهم علی صحة الاسلام والحمدلله وان كانت طاعتهم لامن ضرورة فكذٰ لک لكنهم فساق فكل بلد فيه وال مسلم من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمعة والاعياد وله أخذ الخراج و تقليد القضاة و تزويج اليتامی وطاعته لهم نوع

موادعة أو مخادعة و أما البلاد التی علیها ولاة الکفار من بلاد المسلمین فانه یجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد و نصب القاضی بتراضی المسلمین و یجب علی المسلمین أن یلتمسوا منهم والیا مسلما والمعلوم من حالهم أنهم لایضایقون بذلک وعسی الله أن یأتی بالفتح أو أمر من عنده"(۱۰)

(اور یہ آزمائش جو ہمارے زمانے میں ہمارے بعض اسلامی ممالک پر کفار کے غلبہ کے صورت میں واقع ہوئی ہے تو ضروری ہے کہ اس کا شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس معاملے میں حق / اصل بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں سے جو علاقے ان کے قبضہ میں ہیں تو وہ بلاشبہ دارالاسلام ہی ہیں کیونکہ وہ ان کے ممالک (دارالحرب) سے متصل نہیں ہیں۔ دوسرے انہوں نے ان ممالک میں اپنے احکام کفر نافذ نہیں کیے بلکہ وہاں کے قاضی اور حکام ملت اسلامیہ کے تمام احکام کو تسلیم کرنے والے ہیں اور وہ ملت اسلامیہ کے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے پاس (فیصلہ کے لیے) مقدمات لے جاتے ہیں۔ اور (بنا بریں) مسلمانوں میں سے جو آدمی کسی معاملہ میں ان کی موافقت کرے تو وہ (زیادہ سے زیادہ) فاسق ہے نہ کہ مرتد اور نہ ہی کافر اور ایسے مسلمانوں کو کافر قرار دینا سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ طرزعمل انہیں اسلام سے متنفر کرنے، مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنے اور انہیں کفر پر برآنگیختہ کرنے کے مترادف ہے۔ باقی رہے وہ مسلمان بادشاہ جو کسی ضرورت کے باعث ان کی اطاعت کرتے ہیں تو بحمداللہ وہ بھی صحت اسلام پر قائم ہیں اور اگر ان (مسلمان حکمرانوں) کی اطاعت کسی ضرورت کے بغیر ہے تو بھی یہی حکم ہو گا۔ البتہ اس صورت میں ان پر فاسق کا اطلاق ہو گا۔ پس ہر وہ ملک / علاقہ جس میں ان (کفار) کی طرف سے کوئی مسلمان عامل / گورنر مقرر ہے تو اس شہر میں نماز جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہے اور اس مسلمان عامل کے لیے جائز ہے کہ وہ خراج وصول کرے، قاضیوں کا تقرر کرے اور یتیم بچوں کی شادیوں کا انتظام کرے اور اس کی طرف سے کفار کی اطاعت و فرمانبرداری ایک قسم کی مصالحت یا (ان کے ظلم و شر سے بچاؤ کا) حیلہ ہے اور اسی طرح وہ علاقے جن پر کفار گورنر تعینات ہیں تو وہاں بھی اہل اسلام کیلئے جائز ہے کہ جمعہ و عیدین کی نماز قائم کریں اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے اپنا قاضی متعین کریں (جو ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلے کرے) اور (اس کے ساتھ ساتھ) مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان سے مسلمان

گورنر تعینات کرنے کا مطالبہ کریں اور ان کے ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں سختی نہیں کریں گے اور اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ وہ مسلمانوں کے لیے فتح و کامیابی کا دروازہ کھول دے یا اپنی بارگاہِ رحمت سے کوئی اور راستہ پیدا فرما دے)

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ اور خزانۃ الروایات کا فتویٰ

صاحب الفتاویٰ التاتار خانیہ علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی (م۷۸۶ھ) اور صاحب فتاویٰ خزانۃ الروایات قاضی جکن حنفی نے بھی غیر مسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دلیل میں الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ فتاویٰ غیاثیہ کی درج بالا عبارت ہی پیش کی ہے۔(۱۱)

علامہ شبلی نعمانی کا نقطۂ نظر

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقالات جلد اول (مذہبی) کے مقالہ ''مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیئے'' میں نبی اکرمﷺ کے حکم سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے صحابہؓ کی حبشہ کے عیسائی حاکم نجاشی کی حکومت کے ساتھ وفا شعاری اور اطاعت شعاری کے واقعہ(۱۲)، دوسرے در مختار کی عبارت ''**یفترض علینا اتباعھم**''(۱۳) (یعنی کفار اگر کسی مسلمان ملک پر قابض ہو جائیں تو ہمارے اوپر ان کی اتباع واجب ہو گی) تیسرے غیر مسلم حکومتوں میں متعدد کبار علماء کے بڑے بڑے عہدے قبول کرنے کے کئی واقعات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''واقعات مذکورہ بالا سے تم کو معلوم ہو گا کہ رسول اللہﷺ کے عہد زریں سے لے کر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے، اس کے وفادار اور اطاعت گزار رہتے۔ یہ صرف ان کا طرزِ عمل نہ تھا بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی۔ جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب میں کنایۃً اور صراحۃً مذکور ہے''

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس(۱۴)

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا فتویٰ:

برصغیر کے مشہور مفتی مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی نے درج ذیل سوال کے جواب میں غیر مسلم حکومت کی اطاعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

سوال: کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت یا کسی غیر مسلم سردار کی سرداری قبول کرنا جائز ہے؟ (اسی

طرح) کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت یا کسی غیر مسلم رہنما کے حکم پر عمل کرنا جائز ہے؟

جواب: اسلامی امور میں غیر مسلم کی سرداری قبول کرنی درست نہیں۔ سیاسی امور یا اقتصادیات میں غیر مسلموں کی شرکت یا ان کی صدارت میں کام کرنا یا کسی مجبوری سے ان کی قیادت تسلیم کرنا منع نہیں ہے۔ جیسے میونسپلٹیوں میں غیر مسلم کی چیئرمینی یا کونسلوں میں غیر مسلم کی پریذیڈنسی یا پولیس کی ملازمت میں غیر مسلم افسر کی قیادت یا فوج میں غیر مسلم افسر کی اطاعت یا دکان میں غیر مسلم کی شرکت یا انگریزی حکومت اور اس کے قانون کی تعمیل کرنا یا غیر مسلم ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات پر عمل کرنا(۱۵)

(۲) غیر مسلم حکومت کی ملازمت کا مسئلہ

کسی غیر مسلم حکومت کے ساتھ تعلق کی ایک صورت اس میں باقاعدہ سرکاری طور پر ملازمت اختیار کرنا بھی ہے۔ ایسا تعلق یا ملازمت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں جنوبی ایشیاء/ برصغیر کے فقہاء اور مفتی صاحبان کی کیا رائے ہے؟ اس کی تفصیل میں جانے سے قبل اتنی وضاحت بے جا نہ ہو گی کہ یہ بات تو قرآن و حدیث کی نصوص اور فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق طے اور متفق علیہ ہے کہ شراب اور سود وغیرہ جیسے شرعی طور پر کسی ناجائز اور حرام و ممنوع کام کیلئے نوکری/ اجارہ کرنا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔ جس کے دلائل کی تفصیلات میں جانا خواہ مخواہ کی طوالت کا باعث ہو گا۔ البتہ غور طلب مسئلہ صرف یہ ہے کہ آیا شرعاً مباح و جائز کام کیلئے کسی غیر مسلم حکومت کی نوکری کرنے یا اس کا کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنے کا مسلمان کیلئے کوئی جواز ہے یا نہیں؟ اور جنوبی ایشیاء/ برصغیر کے فقہاء اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں برصغیر کے چند مشہور علماء و فقہاء کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ:

> ''نصاریٰ کی نوکری بلکہ سب کفار کی نوکری کی چند قسمیں ہیں۔ بعض مباح اور بعض مستحب ہیں۔ بعض حرام اور بعض کبیرہ قریب کفر کے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر کی نوکری میں یہ کام کرنا ہو کہ رسوم صالحہ کو مقرر کرنا ہو۔ اور کوئی ایسا کام کرنا ہو کہ اس کا سرانجام بہتر ہو۔ مثلاً چور اور ڈاکوؤں کو دفع کرنا ہو یا عدالت میں شرع کے مطابق فتویٰ دینا یا لوگوں کے آرام کے لیے پل بنانا یا ایسی عمارت بنانا یا اس کی مرمت کرنا ہو کہ اس سے لوگوں کو آرام ہو یا ایسا ہی کوئی اور کام عام لوگوں کے فائدہ کے لیے کرنا ہو تو ایسی نوکری بلاشبہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس کا ثبوت اس طرح پر ہوتا ہے کہ

حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہ مصر سے درخواست کی کہ مصر کے خزانہ کا داروغہ آپ کو مقرر کیا جائے اور منظور یہ تھا کہ خزانہ کے لوگوں کے دینے میں انصاف ہو حالانکہ اس وقت وہ بادشاہ مصر کافر تھا۔

اور حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے فرعون کی نوکری کی تھی۔ اس کام کے لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائیں۔ اور اگر کوئی شخص کافر کی نوکری کسی دوسرے کام کے لیے کرے اور کفار کے ساتھ اختلاط لازم آئے اور اس نوکری میں رسوم اور امور خلاف شرع کے دیکھنے کا اتفاق ہوا کرے اور اعانت ظلم میں ہو۔ مثلاً محرری اور خدمت گاری یا سپاہی کا کام ہے یا اس نوکری میں حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرنا پڑے اور ان کے سامنے بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے اپنے کو ذلیل کرنا پڑے تو ایسی نوکری حرام ہے۔ اگر ان کی نوکری یہ کام ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ہو یا کسی ریاست کو درہم برہم کرنا ہو یا کفر کو رواج دینا ہو اور یہ تلاش کرنا ہو کہ اسلام میں کون کون سے امر قابل طعن ہے تو ایسی نوکری نہایت کبیرہ گناہ ہے اور کفر کے قریب ہے‘‘(۱۶)

اسی طرح حضرت شاہ صاحب موصوف انگریز کی نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’اگر نوکری میں ایسے کام کرنے کا خدشہ ہو جو کہ کبیرہ گناہ ہے مثلاً فوج کی نوکری ہو اور خدشہ ہو کہ اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یا خدمت گاری کی نوکری ہو اور خدشہ ہو کہ شراب اور مردار اور خنزیر کا گوشت لانا ہو گا تو اس کی نوکری اور روزگار کرنا منع ہے اور جس نوکری اور روزگار میں اس طرح کی منہیات نہ ہوں۔ مثلاً اس نوکری میں یہ کام ہو کہ عدالت کے امور لکھے جائیں یا مثلاً منشی گیری کا کام ہو، یا قافلہ پہنچانے کا کام ہو، یا اس طرح کا اور کوئی دوسرا کام ہو تو اس طرح کی نوکری اور روزگار منع نہیں ہے‘‘(۱۷)

علی ہذا القیاس انگریز حکومت کی طرف سے سرکاری مفتی کا منصب قبول کرنے کے لیے کسی عالم دین کو بھجوانے کی افواہ پر مشتمل حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ایک تشویشی مکتوب کے جواب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انگریز حکومت کی طرف سے مجاز آدمی کی اس تحریری یقین دہانی کے بعد کہ: ’’ہرگز اس عالم کا اختلاط فرنگیوں کے ساتھ نہ ہو گا۔ نہ ان کو حکم نا مشروع کی تعمیل کے لیے تکلیف دی جائے گی بلکہ وہ عالم کسی علیحدہ مکان میں شہر میں مستقل طور پر خود قیام پذیر رہیں

گے اور موافق شرع محمدی علی صاحبہا الصلوۃ و السلام کے بے تامل و بے وسواس حکم دیتے رہیں گے‘‘۔ جب ان کے خطوط اس مضمون کے وارد ہوئے تو غور کیا گیا کہ ایسے معاملات کفار کے ساتھ کرنا کہ یہ مدد کرنا ہے رواج دینے میں احکام شرعیہ کے، شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے؟ تو حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ آیت دل میں گزری:

’’وَقَالَ الْمَلِکُ ائتُوْنِیْ بِہٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا کَلَّمَه قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ. قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ‘‘o [سورۃ یوسف: ۵۴، ۵۵]

(اور کہا بادشاہ نے کہ لے آؤ میرے پاس ان کو یعنی حضرت یوسفؑ کو کہ میں ان کو اپنا مقرب بناؤں۔ پس جب بات کی ان سے تو کہا تحقیق کہ آپ آج ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ امانتدار ہیں۔ کہا (حضرت یوسفؑ نے) کہ تو مقرر کر مجھ کو زمین کے خزانوں پر تحقیق کہ میں نگہبانی کرنے والا خوب جاننے والا ہوں)

’’قال البیضاوی فیه دلیل علی جواز طلب التولیة و اظهار انه مستعد لها و التولی من ید الکافر اذا علم انه لاسبیل الی اقامة الحق وسیاسة الخلق الابالاستظهار به‘‘(۱۸)

(یعنی کہا بیضاوی نے کہ یہ دلیل ہے اس امر کے لیے کہ جائز ہے طلب تولیت اور اپنی آمادگی تولیت کے لیے ظاہر کرنا اور حاکم مقرر کرنا کافر کی طرف سے جب معلوم ہو کہ اقامت حق اور سیاست کے لیے سوا اس کے اور کوئی سبیل نہیں کہ کافر سے مدد لی جائے، یہ مضمون بیضاوی کے قول مذکور کا ہے)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا فتویٰ:

مشہور فقیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے ایک سوال کہ انگریزوں کی نوکریوں میں سے کونسی نوکری حلال اور کونسی حرام ہے؟ دوسری آیت قرآنی ’’وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللہُ فَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ‘‘ کی کیا تاویل ہے؟ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ:

’’جس نوکری میں اجرائے احکام غیر شرعیہ و احکام ظلم کے اجراء کی پابندی نہ ہو وہ درست ہے اور جن میں ان کی پابندی ہو وہ حرام ہیں اور جو ان کی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ فاسق ہیں نہ کافر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے: ’’وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللہُ فَاُوْلٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ‘‘ یعنی جو لوگ قرآن شریف کے خلاف حکم کرتے ہیں وہ فاسق ہیں اور آیت ’’وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَااَنْزَلَ اللہُ فَاُوْلٰئِکَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ‘‘

اور آیت ''فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ'' یہود وغیرہ کے حق میں ہے نہ کہ اہل اسلام کے حق میں یا اس سے کفر عملی مراد ہے یا ان احکام خلاف شرع کے اچھا اور حلال جاننے والوں پر محمول ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے۔ ''**نزلت فی اھل الکتاب دون من اساء من ھذہ الامۃ، ومن ترکہ عمدا و اجاز وھو یعلم فھومن الکافرین، أولیس بکفر ینقل عن الملکۃ ولکن کفردون کفر**'' یعنی یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس امت کے گنہگاروں کے متعلق نہیں یا یہ مطلب ہے کہ اس امت کے جو لوگ عمداً حکم خدا کو چھوڑ دیں یا اس کے خلاف کی اجازت دیں اور حکم کو جانتے ہوں تو کافر ہیں یا اس کفر سے مراد ایسا کفر ہے جس سے آدمی دین سے خارج نہیں ہوتا بلکہ کفر میں مراتب ہیں۔ بعض بعض سے گھٹ کر ہیں اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے ''**من یطیعھم غیرضرورۃ فھو علی صحۃ الاسلام وان کانت طاعتھم لا عن ضرورۃ فکذلک لکنھم فساق**'' یعنی جو لوگ بضرورت ایسوں کی اطاعت کریں ان کا اسلام صحیح ہے اور اگر بلا ضرورت ہو تب بھی ان کا اسلام صحیح ہے لیکن وہ لوگ فاسق ہیں(۱۹)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے:

عصر حاضر میں انڈیا کے نامور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی غیر اسلامی حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کے جواز کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ایک اہم سوال یہ ہے کہ ایک غیر اسلامی مملکت کے کلیدی عہدوں، صدارت، وزارت، تحفظ و دفاع، عدلیہ اور رکنیت پارلیمنٹ پر فائز ہونا جائز ہو گا یا نہیں؟ جبکہ ایسی ملازمتوں میں سیکولر اور غیر مذہبی ریاست ہونے کے لحاظ سے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا۔

اصولی طور پر ظاہر ہے کہ یہ بات جائز نہ ہو گی۔ اس لئے کہ کسی صیغہ کی ملازمت سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ کسی گنہگارانہ اور خلاف شرع فیصلہ کا اور اس کے نفاذ اور ترویج کا ذریعہ بنے اور عملاً حاکمیت الٰہی کا انکار کرے۔

مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایسی ملازمتوں سے یکسر کنارہ کش اور سبکدوش ہو جائیں تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسلام کے بچے کھچے آثار اور مسلمانوں کے دینی، تہذیبی اور دنیوی مفادات کا تحفظ دشوار ہو جائے گا اور مسلمان اس مملکت میں سیاسی اعتبار سے مفلوج، تہذیبی اور مذہبی لحاظ سے مجبور اور اچھوت شہری بن کر رہ جائیں گے۔

اس لئے اس اہم تر مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے عہدوں کو بھی قبول کیا جائے گا، بلکہ مصلحۃً ان کے حصول کی کوشش کی جائے گی البتہ دل میں اس غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن، اس پر بے اطمینانی اور اسلام کی بالاتری کا احساس تازہ رہنا چاہیے اور موجودہ حالات کو ایک مجبوری کے طور پر گوارا کرتے رہنا چاہیے۔ اس کی واضح نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون مصر کے خزانہ کی وزارت کی ذمہ داری قبول کرنا۔ بلکہ اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے۔(۲۰)

مولانا رحمانی موصوف زیر بحث مسئلے میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ان حکومتوں میں ایسی ملازمتوں اور عہدوں کا قبول کرنا جن میں براہ راست کسی خلاف شریعت کام کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، مسلمانوں کے لیے جائز ہے اور سودی ادارے، ایسے مالیاتی ادارے جو قمار پر قائم ہوں، شراب کے کارخانے اور کسی بھی ناجائز اور حرام صنعت میں مسلمانوں کا ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلموں کے یہاں مسلمان اجیر رہ سکتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے مشرکین کی ملازمت اختیار کرنے کے جواز پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے ''باب ھل یؤاجر نفسه من مشرک فی ارض الحرب'' (بخاری ۳۰۴/۱)(۲۱)

مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے:

پاکستان کے مشہور مفتی محمد تقی عثمانی نے امریکہ یا کسی بھی غیرمسلم حکومت کے سرکاری محکمے میں ملازمت کے جواز کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے:

''امریکی حکومت یا دوسری غیرمسلم حکومتوں کے سرکاری محکموں میں ملازمت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ایٹمی توانائی کے محکمے میں اور جنگی حکمت عملی کے تحقیقی ادارے میں بھی کام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اس کے ذمہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جس میں کسی بھی ملک یا شہر کے عام مسلمانوں کو ضرر لاحق ہوتا ہو تو اس عمل سے اجتناب کرنا اور اس معاملے میں ان کے ساتھ تعاون نہ کرنا واجب ہے۔ چاہے اس اجتناب کیلئے اس کو اپنی ملازمت سے استعفا ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ واللہ اعلم''(۲۲)

سید نذیر حسین محدث دہلوی کا فتویٰ:

مشہور اہل حدیث عالم سید نذیر حسین محدث دہلوی(م۱۹۰۰ء) انگریز حکومت میں تحصیلداری کی

ملازمت کے جائز یا ناجائز ہونے کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''...... باقی رہی نوکری کفار کی، سو اگر یہ نوکری اصلاح مصالح و دفع شر و رو مفاسد مثل دفع شر دزداں و قطاع الطریق وبناء قناطیر و مہمان سرائے وغیر ذالک مما لامحذور فیہ شرعا پر ہے، تو جائز ہے۔ حضرت یوسفؑ نے حاکم کافر سے داروغگی خزائن مصر بغرض اقامت عدل درخواست کی، اور موسیٰؑ کی والدہ نے فرعون کی نوکری دودھ پلانے پر قبول کی۔ اور اگر یہ نوکری ممنوعات شرعیہ و معاصی پر ہے جیسے لشکر و فوج کو مہیا کرنا واسطے قتال اہل اسلام کے، ایسی نوکری ہے جس میں ناجائز احکام کا عمل میں لانا یا جاری کرنا پڑتا ہے تو ناجائز ہے.....'' واللہ اعلم (۲۳)

مولانا گوہر رحمٰن کی رائے:

مولانا موصوف نے کسی سیکولر ریاست کی ملازمت یا حکومتی عہدہ قبول کرنے کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''...... لا دین ریاستوں میں سرکاری ملازمت تو جائز نہیں ہے جس میں براہ راست غیر شرعی کام کرنا ملازم کی ڈیوٹی میں شامل ہو۔ اس لئے کہ یہ تعاون بالاثم ہے جو اضطراری حالت کے علاوہ دوسرے تمام حالات میں ممنوع ہے۔ اضطرار مطلق حاجت یا معاشی پریشانی کو نہیں کہا جاتا بلکہ جب موت یا قریب الموت ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو ایسی حالت میں بقدر ضرورت ممنوع چیز کے استعمال یا ممنوع کام کرنے کی رخصت مل جاتی ہے۔

لہذا اگر ملازمت ایسی ہو جس کے دوران کسی غیر شرعی کام کرنے کی کوئی پابندی نہ ہو بلکہ جو کام ملازم کے سپرد کیا گیا ہو وہ شریعت میں جائز اور مباح ہو تو ایسی ملازمت کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ براہ راست تعاون بالاثم نہیں ہے'' (۲۴)

۳۔ غیر مسلم حکومت کے خلاف احتجاج کا مسئلہ

غیر مسلم حکومت اگر مذہبی قانونی آئینی اور انسانی وشخصی حقوق کے حوالے سے مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کے ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کے خلاف احتجاج اور ناراضگی کا اظہار جائز ہو گا۔ جس کے جواز کی دلیل ایک تو یہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

''لَا یُحِبُّ اللہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ'' (۲۵)

(اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ برا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو)

دوسرے اس کے جواز پر درج ذیل حدیث نبوی ﷺ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے، جس میں حضور ﷺ نے خود احتجاج کا ایک خاموش اور پر امن طریقہ تعلیم فرمایا ہے:

"جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ یشکو جارہ قال اطرح متاعک علی الطریق فطرحه فجعل الناس یمرون علیه و یلعنونه فجاء الی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ! مالقیت من الناس قال وما لقیت منهم قال یلعنونی قال لعنک اللہ قبل الناس فقال انی لا اعود فجاء الذی شکاہ الی النبی ﷺ فقال ارفع متاعک فقد کفیت"(۲۶)

ایک آدمی اپنے پڑوسی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اپنا گھریلو سامان (گھر سے نکال کر) راستہ پر رکھ دو۔ تو اس نے ایسا ہی کیا۔ اب لوگ وہاں سے گزرنے لگے اور اس (کے پڑوسی کی اس زیادتی) پر لعنت کرنے لگے۔ تو وہ پڑوسی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے لوگوں سے بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تجھے ان سے کیا تکلیف پہنچی ہے؟ اس نے بتایا وہ مجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے قبل تو اللہ کریم (اپنے پڑوسی پر زیادتی کے باعث) تجھ پر لعنت کر رہے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا۔ اب آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ جس آدمی نے آپ ﷺ سے شکایت کی تھی وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو فرمایا۔ اب اپنا سامان اٹھا لو کہ تمہارا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں غیرت ایمانی اور ارشاد نبویؐ:

"من رای منکراً فلینکرہ بیدہ ومن لم یستطع فبلسانه ومن لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان"(۲۶-اے)

(تم میں سے جو آدمی کسی برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر زبان سے بھی اسے برا کہنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے اپنے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)

کا بھی تقاضا ہے کہ مسلمان غیرمسلم جمہوری ممالک میں اگرکسی برائی کو قوت بازو سے نہیں روک سکتے تو اس کے خلاف قانونی طورپر صدائے احتجاج تو بلند کر سکتے ہیں۔ لہذا کسی بھی شرعی منکر کے خلاف

آواز اٹھانا مسلمانوں کیلئے شرعاً ضروری ہے۔

البتہ حکومت کے خلاف احتجاج کا ایسا طریقہ جو تشدد، توڑ پھوڑ اور جانی و مالی نقصان پہنچنے کا ذریعہ بنے وہ شرعاً جائز نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے ہی کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ"(۲۷)

(اور جب وہ پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے)

مشہور فقیہ مفسر امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں آیت ہذا کے مختلف مفاہیم اور اقوال ائمہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"قلت والآیة بعمومها تعم کل فسادکان فی الارض او مال او دین وھوالصحیح ان شاء اللہ تعالی"(۲۸)

(میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آیت ہذا کا اطلاق اپنے عموم پر ہے جس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے۔ چاہے زمین پر ہو یا مال اور دین کے معاملے میں اور ان شاء اللہ یہی مفہوم صحیح ہے)

ہڑتال کا عدم جواز

آج کل حکومت کے خلاف احتجاج کا ایک مروجہ طریقہ "ہڑتال" یعنی کاروباری مراکز، بازار، مارکیٹیں، دوکانیں، دفاتر، ٹرانسپورٹ بند کرانے کا بھی ہے۔ یہ ہڑتال اگر تمام لوگوں کی اپنی خوشی اور مرضی سے ہو تو اس کا کوئی جواز بھی ہو سکتا ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارا آئے روز کا مشاہدہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے خلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی حصہ نہ لے تو اس کو جسمانی اور مالی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ سڑکوں پر ٹائر جلا کر ہر قسم کی آمد و رفت مشکل بنا دی جاتی ہے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہی نہیں آگ لگا دی جاتی ہے۔ بینک اور دوکانیں لوٹ لی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو عام طور پر ہڑتال کا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں اور ظاہر ہے یہ تمام چیزیں شرعاً ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہیں اور شرعی اصول ہے کہ:

"ان کل امر یتذرع بہ الی محظور فھومحظور"(۲۹)

(بیشک جو چیز کسی حرام وممنوع چیز کا ذریعہ و وسیلہ بنے تو وہ حرام وممنوع ہے)

پاکستان کے معروف مفتی، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے مروجہ ہڑتال کے عدم جواز پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

''......لہذا حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ہڑتال کے مروجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔ تحریکِ خلافت کے زمانے میں ''ترکِ موالات'' کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے ان میں ہڑتال بھی داخل تھی۔ ترک موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ اہل تحریک نے ایسی دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضاکار مقرر کر دیے تھے جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اور اس تجارت کے بندکرنے سے اس کے اہل وعیال پر فاقوں کی نوبت آجائے۔ حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے۔ ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں کے سب اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ اہل حرب تک کے ساتھ بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ۔ دوسرے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے، کیونکہ بدون قانون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں تراضی متعاقدین شرط ہے۔ تیسرے نہ ماننے والوں کو ایذاء دینا، جوظلم ہے۔ چوتھے اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے۔ پانچواں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو شریعت کی تغییر وتحریف ہونا............''

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں بھی وہ خرابیاں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئی ہیں، اور اگر ان احتجاجات مذکورہ میں شرکت نہ کرنے پر ایذاء جسمانی کی بھی نوبت آ جائے تو یہ گناہ ہونے میں اضرارِ مالی سے بھی اشد اور منافی اقتضائے اسلام ہے۔ پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانونِ حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ کہ اپنی آزادی کی تو کوشش کریں اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں''(۳۰)

علاوہ ازیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''**تلیین العرائک فی تهجین اسٹرائک**'' لکھا ہے جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے جس میں کئی شرعی مفاسد کی نشاندھی کرتے ہوئے آپ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور آخر میں اختصار کے طور پر لکھا ہے:

وفی مفاسد هذا العمل کثرة لا تحصی وعلی من اتبع واستقرء لا تخفی

نیز آپ نے اپنی اس رائے کی تائید میں اس مسئلہ پر دو فاضلوں مولوی حبیب احمد کیرانوی اور مولوی شبیر احمد دیوبندی کی دو مدلل تحریریں بھی درج فرمائی ہیں۔(۳۱)

بھوک ہڑتال کا عدم جواز:

اسی طرح مطالبات منوانے کے لیے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال کیا گیا تھا: ''اگر کوئی گرفتار ہو جائے ان میں سے بعض لوگ جیل جانے میں مقاطعہ جوعی کرتے ہیں یہاں تک کہ مر جاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی ہے'' حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''**قال الله تعالی: ولا تقتلوا انفسکم'' وفی الهدایة کتاب الاکراه، فیاثم کما فی حالة المخمصة وفی العنایة: فامتناعه عن التناول کامتناعه من تناول الطعام الحلال حتی تلفت نفسه اوعضوه، فکان اٰثما.الخ''**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالتِ اضطرار میں اندیشہ مر جانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو تو اس کا نہ کھانا اور جان دے دینا معصیت ہے، چہ جائیکہ طعام حلال کا ترک۔ اور اس فعل کی مدح کرنے میں تو اندیشہ کفر ہے کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم کہتی ہو یہ اس کو محمود کہتا ہے''

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت واقع ہو جائے گی تو وہ موت حرام ہوگی''(۳۲)

جبکہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی بھوک ہڑتال کے طریقہ احتجاج کو شرعی نقطہ نظر سے غلط

قرار دیا ہے اور الفتاویٰ الہندیہ کی ایک عبارت کو دلیل بناتے ہوئے لکھا ہے:

"اپنی ناراضگی کے اظہار اور تنقید کا ایک طریقہ "بھوک ہڑتال" بھی ہے جس میں انسان بھوکا رہ کر اپنے آپ کو ناراض ظاہر کرتا ہے اور احتجاج کرتا ہے۔ بسا اوقات اس کی جان تک چلے جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور ایسے واقعات بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ صحیح نہیں ہے۔ زندگی کے تحفظ کیلئے اور اپنی توانائی کو معمول پر رکھنے کی غرض سے غذا کھانا واجب ہے:

"اما الاکل فعلی مراتب فرض وھو ما یندفع به الھلاک فان ترک الاکل والشرب حتی ھلک فقد عصی......ولا یجوز الریاضة بتقلیل الاکل حتی ضعف عن اداء الفرائض...... ولو جاع ولم یأکل مع قدرته حتی مات یاثم"(۳۳)

(کھانے کے چند درجات ہیں۔ اتنا کھانا جس کے ذریعہ جان بچ سکے فرض ہے۔ لہذا اگر کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے تو وہ گنہگار ہو گا...... کم کھانے کی ایسی ریاضت جائز نہیں ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے...... اگر بھوک لگے اور قدرت کے باوجود نہ کھائے یہاں تک کہ مر جائے تو گنہگار ہو گا)

اسلام اس قسم کے غلو اور افراط کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اسی لئے حضورﷺ نے ان صحابہ کرامؓ کو بھی منع کر دیا جو عبادت کی غرض سے مسلسل روزے رکھنا چاہتے تھے۔ اور اس نے تنقید و احتجاج کا طریقہ بھی واضح کر دیا ہے جسے قرآن و حدیث کی اصطلاح میں نہی عن المنکر کہا جاتا ہے کہ اس کے لیے جہاں ممکن اور ضرورت ہو قوت کا استعمال کیا جائے ورنہ پر امن طور پر زبان سے کام لیا جائے"(۳۴)

۴۔ غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے کا مسئلہ

آج کل انڈیا، برطانیہ امریکہ سمیت اکثر غیر مسلم ممالک میں جمہوری سیاسی نظام حکومت رائج ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ جمہوری نظام میں ووٹ کی بڑی طاقت اور قیمت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات پارلیمنٹ میں صرف ایک ووٹ کے فرق سے حکومت بدل جاتی ہے اور ملک و قوم کی قسمت کے بڑے بڑے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ ووٹوں کے ذریعے ہی حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور ووٹوں سے ہی ملک کے آئین و دستور میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے۔

غیر مسلم ممالک میں مروج یہ جمہوری نظام حکومت جس میں اللہ تعالی کی حاکمیت اعلیٰ اور قرآن

و سنت کی بالادستی کا تصور نہیں ہوتا۔ نیز کسی بھی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار اللہ و رسول کی بجائے ممبران پارلیمنٹ کو ہوتا ہے، شرعی اعتبار سے اگرچہ ''نظام کفر'' ہے مگر چونکہ مسلمان وہاں ایک تو اس نظام کفر کو بدلنے سے قاصر ہیں۔ دوسرے اگر وہ اس جمہوری نظام کے تحت الیکشن میں حصہ نہیں لیتے تو ان کے بہت سے مذہبی و ملی اور شخصی حقوق تلف ہونے کا خدشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے۔ اس لئے مشہور فقہی کلیات ''**الضرورات تبیح المحظورات**''(۳۵) (مجبوریاں ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے) اور ''**اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتکاب اخفهما**''(۳۶) (جب دو خرابیوں کا مقابلہ ہو تو بڑی خرابی سے بچنے کے لیے چھوٹی خرابی کا ارتکاب گوارا کیا جائے گا) وغیرہ کی رو سے غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینا جائز ہو گا اور اگر انتخابات کے اس پہلو کو دیکھا جائے کہ ان میں حصہ لیے بغیر اور ان کے ذریعے اور پارلیمنٹ تک پہنچے بغیر مسلمانوں کے بہت سے لازمی حقوق کا حصول و تحفظ ممکن نہیں تو ''**مالایتم الواجب الابه فهو واجب**''(۳۷) (جس چیز کے بغیر کسی واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو تو وہ چیز خود بھی واجب ہوتی ہے) کے شرعی قاعدہ کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کو واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چودھویں فقہی سیمینار بعنوان ''غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل'' منعقدہ یکم تا ۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰ تا ۲۲جون ۲۰۰۴ء میں برصغیر کے بعض نامور علماء زیر بحث مسئلہ یعنی الیکشن میں حصہ لینے کے جواز اور بعض وجوب کی طرف گئے ہیں۔(۳۸)

مفتی محمد شفیعؒ کی رائے:

پاکستان کے معروف مفتی، مفتی محمد شفیعؒ نے مسلم اور غیرمسلم حکومت کے امتیاز سے ہٹ کر مروجہ انتخابات میں مطلق ووٹ کی قرآن و سنت کی روشنی میں تین شرعی حیثیتیں قرار دی ہیں۔ شہادت (گواہی)، شفاعت (سفارش) اور وکالت۔ اور پھر ووٹ ڈالنے کی اہمیت اور انتخابات میں حصہ لینے کی ضرورت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور اداکریں، آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آ رہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے۔ اس لئے جس

حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہوا سے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم و ملت پر ظلم کے مترادف ہے اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دارانہ معلوم ہو مگر ان سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خداترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم‘‘(۳۹)

مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے:

اسی طرح مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے مفتی محمد تقی عثمانی نے انتخابات میں اپنے ووٹ کو استعمال کرنا شرعاً ضروری قرار دیا اور مروجہ انتخابات و سیاست کے حوالے سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں پائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی ضرورت و افادیت کے بارے میں لکھا ہے:

(ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی۔ لہذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندہ کر رہے ہیں)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’الناس اذا راؤا الظالم فلم یأخذوا علی یدیه او شک ان یعمهم الله بعقاب‘‘

(اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام نازل فرمائیں‘ (جمع الفوائد، ص ۵۱ ج۲: بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)(۴۰)

اگر آپ کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ظلم ہو رہا ہے، اور انتخابات میں سرگرم حصہ لے کر اس

ظلم کو کسی نہ کسی درجے میں مٹانا آپ کی قدرت میں ہے تو اس حدیث کی رو سے یہ آپ کا فرض ہے کہ خاموش بیٹھنے کے بجائے ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس ظلم کو روکنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔(۴۱)

مزید برآں موصوف نے ووٹ کو شرعی نقطہ نظر سے گواہی کا درجہ دیا اور ووٹ نہ دینے کو حرام قرار دیا ہے۔(۴۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے:

غیر مسلم حکومت کے ساتھ الیکشن میں حصہ لینے اور الیکشن کے ذریعے پارلیمنٹ تک پہنچنے کے بارے میں عصر حاضر کے مشہور انڈین فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے یہ ہے کہ:

> ''اگر مسلمان سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں اور جمہوری اصولوں پر انہیں جو سیاسی حقوق حاصل ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیں تو اندیشہ ہے کہ مذہبی اور قومی سطح پر مسلمان اور بھی زیادہ مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ پارلیمنٹ میں کوئی آواز نہ ہو گی جو ان کے حق میں اٹھے، وہ اپنے مذہبی، تعلیمی اور سماجی نیز معاشی حقوق کا تحفظ کرنے سے بالکل ہی معذور ہوں گے اور تمام تر دوسری قوموں پر ان کا انحصار ہو گا، خاص کر ہندوستان میں برادران وطن جس طرح مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور کلچر میں جذب کر لینا چاہتے ہیں۔ اگر مسلمان سیاسی اعتبار سے مفلوج ہو جائیں تو مخالفین اسلام کے لیے اس مقصد کا حاصل کرنا آسان ہو جائے گا، اس لئے گو یہ جمہوری نظام کفر پر مبنی ہے لیکن مسلمانوں کا اس حکومت میں دینی اور ملی مفادات کے تحفظ کی نیت سے شریک رہنا نہ صرف جائز بلکہ حق واجب ہے''

اور اس رائے پر موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ کیے گئے تحریری معاہدہ ''میثاق مدینہ'' اور بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی ''حلف الفضول'' میں عملی شرکت اور بعد از بعثت اس قسم کے معاہدے میں دوبارہ شرکت کی خواہش سے استدلال کیا ہے۔(۴۳)

باقی رہا الیکشن میں خود کو بطور امیدوار پیش کرنے اور عہدہ طلب کرنے کے شرعاً غیر پسندیدہ حرکت ہونے کا اشکال! تو اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا رحمانی موصوف لکھتے ہیں:

> ''اس میں شبہ نہیں کہ الیکشن میں امیدواری اور عوام سے ووٹ کی بھیک مانگنا اسلامی نقطہ نظر سے ایک ناروا بلکہ غیر شریفانہ حرکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عہدہ کے طلب کرنے کو منع فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مانگ کر عہدہ حاصل کرتا ہے تو اس سے اللہ کی مدد

اٹھ جاتی ہے اور جب بغیر طلب کے کوئی ذمہ سر پر آ جائے تو اللہ کی مدد شریک حال ہوتی ہے (مسلم عن عبدالرحمٰن بن سمرہ)(۴۴)

لیکن اگر کوئی عہدہ طلب کیے بغیر حاصل نہ ہونے پائے اور اس عہدہ سے دین و ملت کا مفاد وابستہ ہو بلکہ بعض جائز مفادات و مصالح اس پر موقوف ہوں تو یہاں بھی از راہ ضرورت ان مفادات کے تحفظ کی نیت سے عہدہ طلب کرنا، امیدوار بننا اور ووٹ مانگنا جائز ہے اور اس کی سب سے واضح نظیر حضرت یوسفؑ کا واقعہ ہے جنہوں نے قحط کے حالات میں عامۃالناس کے مفادات کے تحفظ کیلئے ملک کے خزانہ کی ذمہ داری طلب کی تھی اور فرمایا تھا ''اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَائِنِ الۡاَرۡضِ''(سورۃ یوسف:۵۵)

چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''واذا ثبت هذا فنقول: انه عليه السلام كان مكلفا برعاية مصالح الخلق فى هذه الوجوه وماكان يمكنه رعايتها الا بهذا الطريق وما لايتم الواجب الابه فهو واجب فكان هذا الطريق واجباعليه ولما كان واجبا عليه سقطت الاسئلة بالكلية''

(جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ ان امور میں بھی خلق کی مصلحتوں کی حفاظت کے مکلّف تھے اور یہاں مصلحتوں کا تحفظ اسی طریقہ پر ممکن تھا اور جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہو سکتا ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ پس یہی صورت اختیار کرنی ان پر واجب تھی اور جب یہ بات ان پر واجب تھی تو اب کلیتاً کسی سوال کی گنجائش نہیں رہی)''(۴۵)

مولانا گوہر رحمٰنؒ کی رائے:

پاکستان کے مشہور عالم مولانا گوہر رحمٰن غیر اسلامی حکومت کی زیرنگرانی انتخابات میں شرکت کر کے حکومت کے ساتھ تعاون کے ایک سوال کے جواب میں ووٹ کی شرعی حیثیت و نزاکت اور امیدواروں کی اہلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''......تو ایسے امیدواروں کو ووٹ دینا اور ان کی کامیابی کے لیے جدوجہد کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ فرض ہے۔ اگر ایسی پارٹیوں کو اسمبلی میں اکثریت حاصل ہوگئی تو غیراسلامی قوانین کو ختم کر کے شریعت نافذکر دیں گی ورنہ اسمبلیوں میں غیرشرعی قوانین کے خلاف اور شرعی قوانین کے نفاذ کیلئے آواز اٹھائی جاتی رہے گی اور **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جابر** کا فرض ادا کیا جائے گا''(۴۶)

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھئے: الف) ابن نجیم، الاشباہ و النظائر (مع شرح حموی) نول کشور، لکھنو، ص ۱۰۷

(ب) مجلۃالاحکام العدلیہ (مادہ / دفعہ نمبر۱۹) مطبع شعار کو، الطبعۃ الخامسہ، ۱۹۶۸ء، ص۱۸

۲۔ مرغینانی، برہان الدین (م۵۹۳ھ) ہدایہ مع اردو ترجمہ عین الھدایہ، قانونی کتب خانہ، لاہور ۲/۵۶۱

۳۔ الکاسانی، ابوبکر علاؤالدین (م۵۸۷ھ) بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء ۱/۴۰۶

۴۔ سورۃ البقرہ ۲:۱۸۵

۵۔ جصاص، ابوبکر رازی (م ۳۷۰ھ) احکام القرآن، مطبعۃ البہیہ مصر ۱۳۴۷ھ ۱/۲۲۳

۶۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (کتاب الادب قول النبی یسروا ولا تعسروا الخ) طبع کلاں سعید کمپنی کراچی، ۲/۹۰۴۔ نیز (کتاب المغازی) ۲/۶۲۲۔

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۸۔ الاحکام العدلیہ (مادہ / دفعہ نمبر۱۷۔۱۸) ص۱۸

۸-اے۔ دیکھئے: بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (کتاب الجہاد، باب الجاسوس) ایچ سعید کمپنی، کراچی، طبع کلاں ۱/۴۲۱۔۴۲۲،

کتاب الجھاد (باب اذا اضطرالرجل النظرفی شعوراھل الذمہ) ۱/۴۳۳،کتاب المغازی (باب غزوۃ الفتح ومابعث حاطب الخ) ۲/۶۱۲، کتاب التفسیر۔ سورۃ الممتحنہ (باب لاتتخذواعدوی وعدوکم اولیاء) ۲/۷۲۶

۹۔ الفتاویٰ الغیاثیہ، مشہور سلطان دہلی غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ۔۶۸۶ھ) کی علم دوستی اور مقامی ضروریات کے پیش نظر نیا مجموعہ فتاویٰ ترتیب دینے کی خواہش اور دلچسپی کے نتیجے میں اس دور کے معروف فقیہ شیخ داؤد ابن یوسف الخطیب نے مرتب کیا۔ دیکھئے: ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، مقالہ برصغیر میں علم الافتاء کا تاریخی جائزہ، سہ ماہی منہاج لاہور شمارہ جنوری تاجون ۱۹۹۹ء

۱۰۔ علامہ داؤد بن یوسف الخطیب، الفتاویٰ الغیاثیہ، مکتبہ اسلامیہ، میزان مارکیٹ، کوئٹہ ۱۴۰۳ھ ص۱۰۵

۱۱۔ دیکھئے: (الف) الفتاویٰ التاتارخانیہ مطبوعہ ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ت۔ن۵/۳۲۵۔۳۲۶

(ب) خزانۃ الروایات (عکس قلمی نسخہ) ص۶۷ (یہ قلمی نسخہ جامعہ رضویہ ٹرسٹ ماڈل ٹاؤن، لاہور کی لائبریری میں

اندارج نمبر ۱۱۴۵۱ پر موجود ہے۔

۱۲۔ یہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدرصحابہ کرامؓ موجود تھے، جب نبی اکرمﷺ کے حکم پر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور آپﷺ کی اطاعت وہاں ان کی جان و مال کومکمل تحفظ حاصل ہو گیا تو وہاں کسی حبشی نے حکومت کے خلاف

بغاوت کر دی۔ اس صورت حال سے مسلمانوں کو بڑی تشویش لاحق ہو گئی اور جب وہاں کا حکمران نجاشی اس بغاوت کو کچلنے کیلئے نکلا تو مہاجرین صحابہ نے حکومت کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہونے کے باوجود نوخیز صحابی حضرت زبیربن العوامؓ کو میدان جنگ کی طرف روانہ کیا تاکہ ضرورت پڑے تو وہ خود بھی نجاشی کی مدد کو پہنچیں۔ ان صحابہ کرامؓ نے صرف اسی چیز پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نجاشی کی فتح کیلئے اللہ کریم سے دعائیں بھی مانگتے رہے۔ اور جب انہیں نجاشی کی فتح کی اطلاع ملی تو اس پر انتہائی خوش ہوئے۔ مقالہ نگار۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

(الف) ابن اثیرعزالدین علی بن ابی الکرم(م۶۴۷ھ) الکامل فی التاریخ، دارالصادر، بیروت۱۳۸۵ھ۲/۸۱۔۸۲

(ب) ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی (م۵۹۷ھ) المنتظم فی تاریخ الامم و الملوک، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ ۲/۳۸۳۔۳۸۴

۱۳۔ حصکفی، محمد علاؤالدین (م۱۰۸۸ھ) در مختار شرح تنویر الابصار، المطبعۃ العامرہ، مصر ت۔ن ۲/۹۶ (مقالہ نگار)

۱۴۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، انڈیا ۱۳۴۹ھ ۱/۱۷۴

۱۵۔ مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، کفایت المفتی (کتاب السیاسیات) سکندر علی دستگیر کالونی، کراچی ۹/۳۸۱۔۳۸۲

۱۶۔ فتاویٰ عزیزی (اردوترجمہ) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ ص ۵۹۹۔۶۰۰

۱۷۔ ایضاً ص۶۰۰

۱۸۔ ایضاً ص۶۰۰۔۶۰۱

۱۹۔ مولاناعبدالحی فرنگی محلی، مجموعۃ الفتاویٰ (اردوترجمہ) شہزاد پبلشرز، انارکلی، لاہور ت۔ن ۲/۲۵۸۔۲۵۹

۲۰۔ مولانا خالدسیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، پروگریسوبکس اردوبازار، لاہور ت۔ن ۱/۲۳۹

۲۱۔ سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر نئی دہلی انڈیا، شمارہ نمبر۱۳ / ۵۱ (اکتوبر۔دسمبر۲۰۰۰ء)، مقالہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل، ص۵۳۔۵۴

۲۲۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشر کراچی ۱۹۹۴ء، ۱/۳۶۵

۲۳۔ سید نذیرحسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ، اہل حدیث اکیڈمی، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۷۱ء ۲/۲۰۵

۲۴۔ مولانا گوہر رحمٰن، تفہیم المسائل، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۱۹۹۸ء ۳/۲۰۳

۲۵۔ سورۃ النساء: ۱۴۸

۲۶۔ ہیثمی، نورالدین (م۸۰۷ ھ) مجمع الزوائد و منبع الفوائد، باب ماجاء فی اذی الجار، دارالکتاب العربی، بیروت ۱۹۶۷ء ۸/۱۷۰

۲۶(اے)۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع، (ابواب الفتن) نور محمد کراچی، طبع کلاں، ص ۳۱۶

۲۷۔ سورۃ البقرہ ۲:۲۰۵

۲۸۔ القرطبی، ابوعبداللہ (م۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، مؤسسہ مناھل العرفان، بیروت، ت۔ن ۳/۱۸

۲۹۔ ولی الدین ابو عبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح (کتاب الزکوٰۃ. آخر الفصل الاول) طبع کلاں سعید کمپنی

کراچی، ص۱۵۶

۳۰۔ مفتی رشید احمدؒ، احسن الفتاویٰ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۲۲ھ ۱۲۵/۶۔۱۲۶

۳۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: مفتی محمد شفیعؒ ، امداد الفتاویٰ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۳ھ ۲۰۱/۶ تا ۲۰۹

۳۲۔ مفتی رشید احمدؒ، احسن الفتاویٰ ۱۲۶/۶۔۱۲۷ (بحوالہ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ص۲۸۔۲۹۔ الافاضات الیومیہ، ۳۰/۳ ملفوظ نمبر۱۴)

۳۳۔ الفتاویٰ الھندیہ: کتاب الکراھیۃ فی الاکل. ۱۰۲/۴۔۱۰۳ (بحوالہ مولانا خالد سیف اللہ، جدیدفقہی مسائل ۲۶۷/۱)

۳۴۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدیدفقہی مسائل ۲۶۷/۱

۳۵۔ مجلہ احکام العدلیہ (دفعہ/قاعدہ نمبر ۲۱) ص۱۸

۳۶۔ ایضاً (دفعہ/قاعدہ نمبر۲۸) ص ۱۹

۳۷۔ رازی، فخرالدین، مفاتیح الغیب (تفسیرکبیر) تحت سورۃ یوسف: ۵۵، مطبعۃ البھیہ، مصر ۱۹۲۸ء ۱۶۱/۱۸

۳۸۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: مولانا صفدر زبیر ندوی، تلخیص مقالات: غیرمسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا ص ۱۲ تا ۲۳

۳۹۔ مفتی محمدشفیعؒ، جواھر الفقہ، مکتبہ دارالعلوم کراچی، فروری ۱۹۹۹ء ۳۰۰/۲

۴۰۔ سنن ابی داوٴد میں یہ روایت "کتاب الملاحم" اور جامع ترمذی میں "ابواب الفتن" کے اندر آئی ہے۔ مقالہ نگار۔ دیکھئے: سنن ابی داؤد اصح المطابع کراچی، طبع کلاں ۵۹۹/۲۔ اور جامع ترمذی نور محمد کراچی طبع کلاں ص۳۱۶

۴۱۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۶ء ۲۸۸/۲

۴۲۔ دیکھئے: ایضا، ص ۲۸۹۔۲۹۹

۴۳۔ دیکھئے: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مقالہ غیرمسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، شمارہ نمبر۱۳/ ۵۱ ص۴۰

۴۴۔ حدیث ہذا کے اصل الفاظ ہیں ”قال قال لی رسول اللہ ﷺ یاعبدالرحمن لاتسال الامارۃ فانک ان اعطیتھاعن مسالۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسألۃ اعنت علیھا“

ملاحظہ ہو: صحیح مسلم (کتاب الامارۃ باب النہی عن طلب الارماۃ و الحرص علیھا) قدیمی کتب خانہ کراچی، طبع کلاں ۱۲۰/۲

۴۵۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مقالہ، ”غیرمسلم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل“ سہ ماہی مجلّہ بحث ونظر، شمارہ نمبر۱۳/ ۵۱ ص۴۱

۴۶۔ مولانا گوہر رحمٰن، تفہیم المسائل، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۱۹۹۸ء ۱۵۵/۳

☆☆☆☆☆